محترم ابنِ صفی

نگہت سیما

ابھی سے کیوں شام ہو رہی ہے
ابھی تو جینے کا حوصلہ ہے

جولائی کا ابنِ صفی میگزین میرے سامنے کھلا پڑا ہے اور میں بار بار اس شعر کو پڑھ رہی ہوں۔ اس سے پہلے بھی جب یہ میگزین خرید آگیا تھا تو یقیناً میں نے یہ غزل پڑھی تھی اور یہ شعر بھی پڑھا ہوگا لیکن اس وقت اس شعر نے میرے دل کو اس طرح اپنی گرفت میں نہیں لیا تھا اور نہ ہی اس کے معنی اس طرح میرے دِل میں اُترے تھے۔ بس اچھا لگا تھا۔ شعروں کے ساتھ عجب معاملہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات کوئی شعر ہمیں بالکل متاثر نہیں کرتا لیکن وہی سادہ سا شعر کسی خاص موقعے پر ہمارے لیے بڑا اہم اور بڑا ہی بامعنی ہو جاتا ہے۔ . . یا پھر بڑا ہی اندوہناک۔ یوں لگتا ہے جیسے اَب میں نے یونہی وقت گزاری کے لیے ابنِ صفی میگزین کھولا تو نگاہ محترم ابنِ صفی صاحب کے اس شعر پر اٹک

گئی اور نگاہ کے سامنے نوائے وقت میں چھپنے والی وہ ننھی سی خبر گھومنے لگی جس میں لاکھوں پڑھنے والوں کے محبوب مصنف کی موت کے متعلق لکھا ہوا تھا۔ کتنی ہی دیر تک خبر کی صداقت پر یقین نہیں آیا تھا کہ اکثر اُن کی بیماری کے متعلق پڑھتے رہنے کے باوجود کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ کسی دن لاکھوں قارئین کے دلوں میں بسنے والا یہ شخص جو اپنے اداریوں میں اتنی زندہ دلی اتنی شگفتگی سے اپنی بیماری کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے

؎ ابھی تو جینے کا حوصلہ ہے

ایک دن سچ مچ یوں اچانک عدم آباد کو چل دے گا۔

ابنِ صفی صاحب کے نام سے میری واقفیت برسوں پرانی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، بچپن میں جب ہم سب بہن بھائی اسکول سے آنے کے بعد بڑے کمرے میں اکٹھے بیٹھے اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہوتے تو شانی بھائی اچانک پڑھتے پڑھتے ہنسنا شروع کر دیتے اور میں طلعی کے ساتھ لڈو کھیلتے ہوئے یا اپنی گڑیوں کے کپڑے سیتے ہوئے حیران ہو کر سوچا کرتی۔ اللہ! یہ شانی بھائی کو پڑھتے پڑھتے کیا ہو جاتا ہے میں اپنے کھلونے وہیں چھوڑ کر شانی بھائی کے سر ہو جاتی اور اُن کی منتیں کرتی کہ مجھے وہی لطیفہ سُنائیں جس پر وہ اِتنا ہنس رہے تھے اور شانی بھائی ہمیشہ مجھے ڈانٹ کر بھگا دیتے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد جب وہ پھر قہقہہ لگاتے تو مجھے بڑا غصہ آتا کہ خود تو ہنسے جاتے ہیں اور ہمیں کچھ بتاتے ہی نہیں۔ ایک روز مارے تجسس کے شانی بھائی کے جاتے ہی میں نے وہ کتاب اُٹھالی اور یہ جاننے کے لیے کہ آخر شانی بھائی کس بات پر اتنا ہنستے ہیں، ساری کتاب پڑھ ڈالی اور یوں میں علی عمران۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی آکسن سے متعارف ہوئی۔ ان دنوں میں کوئی تیسری یا چوتھی جماعت میں پڑھتی تھی۔ ٹھیک سے یاد نہیں۔ . . تاہم یہ ضرور یاد ہے کہ اس کے بعد کچھ یوں ہونے لگا کہ ہم اسکول سے آکر جلدی جلدی گھر کا کام ختم کر کے کھیلنے کی بجائے شانی بھائی کی لائی ہوئی کتابیں پڑھا کرتے تھے لیکن شانی بھائی بھی بہت چالاک تھے۔ جب سے انہیں پتہ چلا تھا کہ میں اور طلعی اُن کی لائی ہوئی کتابیں پڑھا کرتے ہیں، کبھی کبھی وہ ضد میں آکر انہیں چھپایا کرتے تھے مگر ہم انہیں ڈھونڈ ہی لیتے، کبھی تکیے کے غلاف کے اندر سے، کبھی کپڑوں والی الماری سے، کبھی ڈائننگ ٹیبل کے نیچے سے، کبھی گدے کے نیچے اور کبھی ردی اخباروں کے ڈھیر کے اندر سے۔ اس معاملے میں ہماری ناک خاصی تیز تھی۔ فوراً کتاب کو سونگھ لیتی۔ ان دنوں بے شمار ناول پڑھے۔ عمران کی حماقتیں، قاسم کی بوکھلاہٹیں اور کیپٹن حمید کی شرارتیں اُن دنوں بہت لطف دیتی تھیں حتیٰ کہ کرنل فریدی کی سنجیدگی بھی۔ . . اور ہم خوب ہنسا کرتے تھے۔ وہ شخص یقیناً بہت عظیم اور بڑا ہے، جو دوسروں کے لبوں کو ہنسی جیسی دولت عطا کرتا ہے۔ مجھے تو اُس دیوانے پر بھی رشک آتا ہے جسے دیکھ کر لوگ ہنستے ہیں اور میں اکثر سوچتی ہوں کہ یہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جس نے دوسروں کے لبوں کو ہنسی عطا کی ہے اور ابنِ صفی صاحب کی تحریریں تو ہمیشہ تھکے تھکے بوجھل لمحوں میں ہنسی کی پیامبر بن کر آتی ہیں۔ اگرچہ اب عمر کا وہ دور بہت پیچھے رہ گیا ہے، جب کسی معمولی بات پر خوب ہنسی آیا کرتی تھی اور کسی چھوٹی سی، بات پر زاروں زار رویا کرتے تھے لیکن پھر بھی عمران کی کہانی پڑھتے ہوئے کہیں نہ کہیں لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آجاتی ہے۔ میں ابنِ صفی میگزین میں چھپنے والے عمران کے ناول ضرور پڑھتی ہوں اور قندِ مکرر کا مزا آتا ہے۔ صرف شانی، میں اور طلعی ہی نہیں، ہمارے گھر میں سب ہی ابنِ صفی کے ناول بہت ذوق و شوق سے پڑھا کرتے تھے، ہمارے ابا جان، امی، بھائی (جو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پڑھتے تھے) یہ صرف ہمارے گھر کی ہی بات نہیں تھی بلکہ سب ہی گھروں میں بچے، بوڑھے، جوان ایک ہی جیسے ذوق و شوق سے یہ ناول پڑھتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ اُردو کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے مصنف تھے۔ جتنی شہرت اور جتنی مقبولیت انہیں حاصل ہوئی، اتنی شہرت، اتنی مقبولیت شاید ہی کسی بڑے سے بڑے ادیب کو حاصل ہوئی ہو۔ ان کی مقبولیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ اُن کے تخلیق کردہ کرداروں پر بے شمار لوگوں نے لکھا۔ بہت سے نقلی ابنِ صفی پیدا ہوئے۔ ان بہت سے لکھنے والوں میں ابنِ صفی کا اپنا ایک منفرد اور خوب صورت انداز تھا جو انہیں دوسروں سے نمایاں کرتا تھا۔ ابنِ صفی اس لحاظ سے بڑے دل، بڑے ظرف اور بڑے حوصلے کے مالک تھے کہ انہیں اس بات پر کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا کہ دوسرے لوگ اُن کے کرداروں پر کیوں لکھتے ہیں۔ اگر کسی نے اس طرف اُن کا دھیان دلایا بھی تو انہوں نے ہنسی میں اُڑا دیا بلکہ مجھے اُن کا ایک مضمون یاد ہے جس میں انہوں نے کیپٹن حمید اور عمران کے کرداروں پر لکھنے والے ایک دو رائٹرز کی بڑے

اعلا ادب کا حصّہ ہو سکتا ہے ان کے ہاں ملتا ہے۔ جاسوسی ادب لکھنے والوں پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے معاشرے میں مجرموں کی تعداد بڑھائی ہے اور جرائم کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں . . . حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ جتنے بھی جاسوسی ناول لکھے جاتے ہیں اُن سب کا انجام منطقی ہوتا ہے۔ وہی صدیوں پُرانی نیکی اور بدی کی جنگ، جس میں بالآخر نیکی جیت جاتی ہے تو ظاہر ہے پھر ایک ایسا ناول پڑھ کر جس میں بالآخر مجرموں کو ہمیشہ ان کے کیے کی عبرتناک سزا ملتی ہے۔ آدمی کا ذہن کبھی بھی مجرم بننے کا نہیں سوچ سکتا۔ ابنِ صفی کی کہانیاں ہمارے اپنے ماحول کی کہانیاں ہیں۔ کردار، نام ماحول کوئی چیز بھی اجنبی نہیں لگتی۔ ان کا لب ولہجہ روزمرّہ اور محاورہ سب کچھ اپنا ہے۔ ان سے اپنی زمین اور اپنے لوگوں کی خوشبو آتی ہے۔ ان کی تحریر کی خاص خوبیاں یعنی شگفتگی، بے ساختگی، سادگی اور طنز و مزاح ان میں بھی پایا جاتا ہے لیکن بُنیادی طور پر وہ تفریحی لکھنے والے تھے اور سُراغرسانی اور جرم و سزا کے موضوع پر لکھنے والوں میں ان کا مقام یکتا ہے۔ نقاد انہیں تسلیم کریں یا نہ کریں ادب میں انہیں کوئی مقام دیں یا نہ دیں۔ وہ بلاشبہ بڑے انسان، بڑے ادیب اور بڑے آدمی تھے۔

؎ آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے۔